سود کے احکام آج کے حالات میں کیسے لاگو ہو سکتے ہیں؟

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ · October 7, 2020



ISLAMFORT
صفحہ اول | تعارف | Audios | آڈیوز | Videos | ویڈیوز | Article | مضامین | خطبات حرمین

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

شرعی عدالت کے ریٹائرڈ چیف جسٹس کے ریمارکس انسداد سود مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان، نگران شعبہ تحقیق و تصنیف المدینہ اسلامک ریسرج سینٹر کراچی کی کوششوں کی ناکامی کی المناک کہانی

10 اپریل 2017 کی اخبارات میں وفاقی شرعی عدالت کے موجودہ چیف جسٹس جناب ریاض احمد خاں کے یہ ریمارکس شائع ہوئے ہیں کہ "سود کی ممانعت کے وقت کی معیشت اور آج کی معیشت میں فرق ہے۔ اس وقت کے نظام کو آج کے وقت میں کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے؟"۔

موصوف نے یہ ریمارکس ملک بھر میں سودی نظام کے خاتمے سے متعلق شرعی عدالت میں کیس کی سماعت کے دوران میں دیئے۔

اس مقدمے کی سماعت چار رکنی بنچ نے کی، اس موقع پر چیف جسٹس نے یہ بھی کہا کہ "ربا، سود اور انٹرسٹ تین مختلف لفظ ہیں۔ کیا یہ تینوں ہم معنیٰ ہیں یا ان میں فرق ہے؟ اس سوال سے موصوف کا مقصد ان تینوں الفاظ کا مفہوم و معنی ایک دوسرے سے مختلف باور کرانا تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر کہ "موجودہ دور میں انٹرسٹ کی تعریف سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ ہے"۔ اس کی طرف واضح اشارہ بھی فرمادیا۔ یہ وہ مختصر تفصیل ہے جو اس مقدمے کی اخبارات میں شائع ہوئی ہے، اس سماعت کے بعد اس کی سماعت غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔

یہ مقدمہ کیا ہے؟

اس سے قبل کہ ہم اس مقدمے کی ابتدائی سماعت کے وقت محترم چیف جسٹس صاحب کے ریمارکس پر کچھ عرض کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کو یہ بتلائیں کہ یہ مقدمہ ہے کیا؟

اس مقدمے کا پس منظر اور اس کی ضروری روداد بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حکومت کی وہ بدنیتی یا عدم دلچسپی واضح نہیں ہو سکتی جو پاکستانی حکومت خاتمۂ سود کے لئے اپنی آئینی اور شرعی ذمہ داری کی ادئیگی میں مسلسل پہلوتہی اختیار کرتی آرہی ہے اور اس کی یہ کوتاہی تا حال جاری ہے۔

سود کا خاتمہ، حکومت کی آئینی ذمہ داری اس لئے ہے کہ پاکستان کے تینوں آئینوں میں ،پہلے آئین 1956ء،دوسرے ایوب خان کے آئین 1962ء،اور تیسرے آئین 1973ء میں اس بات کی ضمانت دی گئی اور اس بات کا عزم ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت پاکستان نظام معیشت سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گی، حکومت جس قدر جلد ممکن ہو سکے، ربا کو ختم کرے گی۔

شرعی ذمہ داری یہ ہے کہ قرآن کریم میں سودی نظام پر اصرار اور تسلسل کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے۔بنا بریں کسی بھی مسلمان حکمران کے لئے انسداد سود کی کوششوں سے بے اعتنائی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

غفلت اور بے اعتنائی کی المناک روداد

مستند علمائے کرام کو نمائندگی دی گئی۔اس ادارے کے منصبی فرائض میں یہ بات شامل کی گئی کہ یہ ادارہ ایسی تجاویز مرتب کرے گا جن پر عمل کر کے پاکستان کے عوام کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاسکے۔چنانچہ 3 دسمبر 1969ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی آئینی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے ایک رپورٹ تیار کی جس میں متفق رائے سے اس امر کا اظہار کیا گیا کہ "ربا اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔مزید یہ کہ موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد،اداروں اور حکومتوں کے درمیان قرضوں اور کاروباری لین دین میں اصل رقم پر جو اضافہ یا بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے،وہ ربا کی تعریف میں آتی ہے۔ سیونگ سرٹیفکیٹس میں جو اضافہ دیا جاتا ہے،وہ بھی ربا میں شامل ہے اور اس کے ساتھ صوبوں، مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیئے گئے قرضوں پر اضافہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے۔لہذا یہ تمام صورتیں حرام ہیں اور ممنوع ہیں"۔

نظریاتی کونسل کی یہ سفارشات سودی نظام کے خاتمے کے لئے نہایت جامع تھیں اور ایک آئینی ادارہ ہونے کے اعتبار سے یہ ضروری تھا کہ ان سفارشات کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا اور اس کے مطابق انسداد سود کے لئے مناسب قانون سازی کی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

کونسل کی مرتب کردہ اس رپورٹ کے 8 سال بعد 1977ء میں صدر جنرل ضیاء الحق نے کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ضروری تحقیق اور تفتیش کے بعد ایسے طریقے بھی تجویز کرے کہ جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت

حالانکہ اصولی طور پر یہ کام پارلیمنٹ کا تھا، کونسل بنائی تو انہوں نے نہایت جامع انداز سے ایک رپورٹ مرتب کر کے ساری صورت حال واضح کردی تھی۔ بہرحال کونسل نے مزید اتمام حجت کے لئے بنک کے ماہرین، اقتصادیات کے ماہرین اور علماء سے طویل گفتگو اور بحث و مباحثہ کے بعد 25 جون 1980ء کو اپنی رپورٹ صدر ضیاء الحق کے سامنے پیش کردی۔ اس رپورٹ میں سود کو ختم کر کے اس کے متبادل نظام کی جملہ تفصیلات درج تھیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز پر عمل درآمد سے دو سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت سود سے مکمل پاک ہو سکتی ہے لیکن حکومت اور اس پر مسلط کردہ بیوروکریسی نے صدق دلانہ طور پر کونسل کے بتلائے ہوئے طریقہ کار کو اختیار نہیں کیا، البتہ اپنے طور پر کچھ ایسے نیم دلانہ اقدامات کیے جس سے یہ تاثر یا مغالطہ دیا جاسکے کہ حکومت نے اس کام کا آغاز کردیا۔ اور یہ اقدامات وہی تھے جو بینکوں میں غیر سودی کھاتوں کے نام سے بھی ایک ایک شعبہ کھول دیا گیا۔ اول تو یہ سودی کھاتوں کے ساتھ ساتھ ایک غیر سودی کھاتے کا نظام بھی، سودی نظام کے خاتمے کے لئے متبادل نظام نہیں تھا۔ دوسرے غیر ضروری کھاتے میں نئی اصطلاحات متعارف کرائی گئیں، مثلاً مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ اور بیع موجل وغیرہ۔ یہ اصطلاحات بظاہر شرعی اور فقہی تھیں جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ سودی صورتوں کے مقابلے میں غیر سودی طریقے اختیار کر لئے گئے ہیں، تاہم حقیقت اس کے برعکس تھی، یہ صرف ناموں اور اصطلاحات کا ہیر پھیر تھا اور ان کھاتوں کے اندر بھی سودی روح ہی کارفرما تھی۔ چنانچہ نظریاتی کونسل نے، جس نے بڑی محنت سے سود سے بچاؤ کے طریقے تجویز کر کے حکومت کو دیئے تھے، صورتحال کو دیکھتے ہوئے کہ بقول فیض

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر

وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

ایک نئی رپورٹ تیار کی گئی جس میں اپنی رپورٹ کی پامالی اور ناقدری پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا گیا:

کونسل نے 1980-81ء میں کئے جانے والے ان اقدامات کا جائزہ لیا جو حکومت نے اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دئے ہیں۔ ان میں خاتمہ، سود کے لئے کئے جانے والے اقدامات ان سفارشات کے بالکل برعکس ہیں جو کونسل نے تجویز کئے۔۔۔ حکومت نے وہ طریق استعمال کیا کو مقصد کو فوت کرنے کا سبب بن گیا ہے"۔

کی طرف سے اس تجویز پر عمل در آمد کی کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔ اور سودی نظام اپنی جدید اور قدیم صورتوں کے ساتھ جاری و ساری رہا۔ اور کونسل کی ساری محنت بھی رائیگا نہی گئی۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ

دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

عدالت کے ذریعے دوسری کوشش اور حکومت کی وہی "نہ مانوں" کی پالیسی

1990ء میں ایک شخص محمود الرحمن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک درخواست دی کہ رائج الوقت سودی نظام معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کی جائے اور حکومت کو ہدایت کی جائے کہ پاکستان کے معاشی نظام سے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔ عدالت نے اس کیس سے ملتے جلتے114 دیگر کیسوں کی مشترکہ سماعت کی۔ اس مقدمے میں شرعی عدالت نے بینکاروں، ماہرین اقتصادیات، حکومتی نمائندں اور علماء کو تفصیلی طور پر سنا اور موضوع سے متعلقہ تمام اہم مباحث کو زیر غور لایا گیا اور تحریری اور زبانی بیانات حاصل کئے اور اکتوبر 1991ء میں 157 صفحات پر مشتمل اپنا تاریخی فیصلہ سنایا۔ فیصلہ کرنے والے اس میں جسٹس تنزیل الرحمن بطور چیف جسٹس، جسٹس فدا محمد خان اور جسٹس عبید اللہ خاں شامل تھے۔

شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں نہ صرف یہ کہ سود کہ ایسی تعریف متعین کی جسے معیار بنا کر مروجہ نظام معیشت میں پائے جانے والے سودی معاملات اور آئین اور دستور میں مذکور سودی دفعات کا جائزہ لیا جا سکتا تھا بلکہ رائج تمام سودی قوانین(22 قوانین) کا جائزہ لے کر بینکنگ سمیت تمام سودی لین دین کو حرام قرار دیا اور وفاقی حکومت اور تمام صوبوں سے بھی کہا کہ وہ30 جون 1992ء تک متعلقہ قوانین میں تبدیلی کر لیں اور یہ بھی کہا کہ یکم جولائی 1992 ء سے تمام سودی قوانین غیر آئینی ہو جائیں گے اور تمام سودی کاروبار غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پائے گا۔

یہ تاریخ ساز فیصلہ دستور اور آئین کے تقاضوں کے مطابق بھی تھا اور عوام کی خواہشات کے مطابق بھی۔ اس لئے اس فیصلے کو ہر سطح پر سراہا گیا اور عوام کی امنگوں کا مظہر قرار دیا گیا۔ لیکن ظاہر بات کہ حکومت جو اندرونی اور بیرونی قرضوں میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے اور اس سے نکلنے کی آرزو اور خواہش بھی

بھی وابستہ ہیں، اس کے لئے یہ فیصلہ قطعاً ناقابل قبول تھا اور اس نے حیلہ پرویزی کے ذریعے سے اس کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔

چنانچہ 30 جون 1992ء کے آنے سے پہلے پہلے مالیاتی اداروں، بینکوں اور بعض افراد نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں دائر کردیں۔ یہ اپیلیں شرعی عدالت کے فیصلے کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ بن گئیں۔ چنانچہ حکومت اپنی اس سازش میں کامیاب رہی اور سات سال تک یہ اپیلیں شریعت اپیلیٹ بینچ کے سرد خانے میں پڑی رہیں۔ بالآخر 1999ء کے اوائل میں سپریم کورٹ میں ایک شریعت اپیلیٹ بینچ تشکیل دیا گیا۔ اس بینچ نے کئی ماہ تک مسلسل ان اپیلوں کی سماعت کی۔

اس پانچ رکنی بینچ میں جسٹس خلیل الرحمن صاحب، (بطور چیئرمین) جسٹس وجیہہ الدین صاحب، جسٹس منیر اے شیخ، جسٹس مفتی مولانا تقی عثمانی صاحب اور جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب شامل تھے۔

معزز عدالت نے سماعت کے دوران مقدمہ میں زیر بحث آنے والے اہم فقہی مباحث، معاشی معاشرتی، قانونی اور آئینی معاملات (ایشوز) پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے فریقین کے وکلاء حضرات کے علاوہ ماہرین علم و فن سے بھی اپیل کی کہ وہ زیر بحث مسئلے کے حوالے سے عدالت کی معاونت کریں۔ اس سلسلے میں بینچ نے دس سوالات بھی مرتب کر کے مختلف علماء کو بھیجے، راقم نے بھی ان سوالات کا جواب لکھ کر عدالت عظمیٰ کو ارسال کیا تھا، راقم کے یہ جوابات مضمون کے آخر میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔ صوبہ خیبر پختون خواہ کے مولانا گوہر رحمان مرحوم نے بھی ان سوالات کے جواب تحریر فرمائے تھے۔ یہ دس سوال نہایت اہمیت کے حامل تھے جس سے مسئلہ زیر بحث کے اہم گوشے واضح ہو جاتے ہیں اور صحیح رہنمائی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا کے متعدد نامور محققین اور قانون دان حضرات نے فاضل عدالت کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنی آراء اور تجاویز سے تحریری طور پر اور زبانی بھی مستفید کیا اور جدید و قدیم معاشی کتب و جرائد کے علمی ذخیرے سے اہم اقتباسات کی نقول عدالت کے روبرو پیش کیں۔

اس سارے مواد کی چھان پھٹک اور علماء و وکلاء کی بحثوں کی سماعت کرنے کے بعد سپریم کورٹ کے مذکورہ بینچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو عمومی طور پر درست قرار دیتے ہوئے حد بد بنکاری سمیت تمام دیگر

دیتے ہوئے ہدایت جاری کی کہ وہ جون 2001ء تک تمام غیر اسلامی قوانین کو نئے قوانین سے بدل کر بینکنگ اور دیگر معاشی معاملات کو سود پاک کردے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد، جو اکتوبر 1991ء میں منظر عام پر آیا تھا، یہ دوسرا نہایت اہم فیصلہ تھا جو آٹھ سال کے بعد سامنے آیا۔ دونوں موقعوں پر علماء اور صحیح الفکر وکلاء کی طرف سے بھرپور دلائل پیش کئے گئے اور فاضل عدالت کی طرف سے کیے گئے سوالات کے مدلل جوابات دیئے گئے جن سے مزید بہت سے پہلو منقح اور واضح ہوئے اور پہلے مقدمے کی طرح اس دوسرے مقدمے میں بھی فاضل عدالت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا کہ وہ سود کی ممانعت کا قطعی فیصلہ صادر کردے۔

حکومت کی بدنیتی اور گریزپائی

لیکن بدنیتی اور گریز پائی کا کسی کے پاس علاج نہیں ہے اور جب ایک فریق یہ تہیہ ہی کرلے کہ اس نے کسی صورت بھی موجودہ ظالمانہ نظام کو بدلنا نہیں ہے تو عدالتی فیصلے اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں جبکہ یہ فریق ہمہ مقتدر بھی ہے۔

چنانچہ اس دوسرے نہایت اہم فیصلے کے بعد اس کو بھی تارپیڈو کرنے کی سازش تیار کر لی گئی۔ اور جون 2001ء آنے سے پہلے پہلے حکومت نے ایک درخواست شریعت بنچ کے سامنے دائر کی جس میں یہ استدعا کی گئی کہ سودی نظام کو ختم کرنے کے لئے مزید دو سال کی مہلت دی جائے۔ عدالت نے اس درخواست کی بنیاد پر مزید ایک سال کی مہلت دیتے ہوئے کہا کہ وہ جون 2002ء تک مطلوبہ آئینی و انتظامی اقدامات مکمل کرلے۔

اگر حکومت انسداد سود کے لئے عملی اقدامات کرنے کی خواہشمند ہوتی تو وہ یقیناً اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عملی اقدامات بروئے کار لانے کا اہتمام کرتی لیکن اس نے اس کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا بلکہ عدالت کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کے قریب آئی تو ایک نجی بینک (UBL) کی جانب سے نظر ثانی کی ایک درخواست عدالت میں پیش کردی گئی۔

انہی ایام میں یہ المیہ بھی ہوا یا عمداً ایسا کیا گیا کہ شریعت اپیلیٹ بنچ کے جن ارکان نے فیصلہ دیا تھا۔ ان میں سے چار جج فارغ کردیے گئے اور صرف ایک جج جسٹس (منیر اے شیخ) باقی رہ گئے۔ اب نظر ثانی کی اپیل کی

جسٹس تسیخ زیاض احمد (بطور چیئر مین) جسٹس قاضی محمد فاروق، جسٹس ڈاکٹر خالد محمود اور جسٹس رشید احمد جالندھری۔

آخر الذکر دو فاضل جج، جو علماء کی نشست پر براجمان کئے گئے تھے ان کا اسلامی کردار ہر دور میں محل نظر ہی رہا ہے، اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں، تاہم واقف الحال حضرات سے مخفی نہیں۔ بہر حال اس بینچ نے مقدمے کی از سر نو ع سماعت کی اور وہ تمام مباحث جن پر پہلے تفصیلی بحث ہو چکی تھی اور وہ گویا طے شدہ تھے، دو بارہ زیر غور لائے گئے اور بینک کے وکلاء اور سرکاری وکلاء کو خلط مبحث کا پورا موقع دیا گیا تاکہ بحث کا وہ رخ، جو اس سے پہلے دو مقدمونمیں واضح طور پر متعین ہو چکا تھا، اس کو غلط رخ پر موڑا جا سکے اور ڈور کے سلجھے ہوئے سرے کو الجھا دیا جائے کہ اس کا سرا ہاتھ ہی نہ آئے، یا صحیح رخ پر جاتی گاڑہ کی پٹڑی بدل دی جائے تاکہ وہ پٹڑی سے ہی اتر جائے یا اپنی اصل منزل مقصود پر نہ پہنچ پائے۔

اگر چہ صحیح الفکر علماء اور وکلاء نے بھی عدالت کے سامنے اپنے دلائل پیش کئے۔ انہوں نے بالخصوص حسب ذیل امور پر زور دیا:

موجودہ بینچ کی تشکیل آئین کے ضوابط کے مطابق نہیں۔

نظر ثانی کے معاملے میں عدالت کے اختیار بہت محدود ہوتے ہیں۔

جن قوانین، ضوابط اور حقائق کا جائزہ، فیصلہ دینے والی عدالت عظمیٰ تفصیل سے لے چکی ہو، انہیں نظر ثانی کی آڑ میں دو بارہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

مذکورہ فیصلہ کے مخالف وکلاء نے جن امور کو نظر ثانی کی بنیاد بنایا ہے۔ ان سب پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور تمام بحث کے بعد ہی سابقہ فیصلے صادر کیے گئے تھے۔

یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر جزوی عمل ہو چکا ہے، اب قانون اس پر نظر ثانی کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ پانچ نکتے جو اسلامی ذہن رکھنے والے وکلاء نے اٹھائے، نہایت اہمیت کے حامل تھے، اگر نظر ثانی کی اپیل ایک سازش نہیں ہوتی اور بینچ کی تشکیل میں بھی خفیہ مقاصد کارفرما نہ ہوتے تو ان نکتوں کی بنیاد پر نئی بحثوں کو کالعدم قرار دے کر اور سابقہ دو فیصلوں کے طے شدہ امور کو تسلیم کر کے بجا طور پر نظر ثانی کی اپیل کو

سود کے ظالمانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی نہیں چاہتی۔ چاہے فوجی حکومت ہو یا سویلین حکومت۔ دونوں ہی قسم کے حکمران اغیار کے کسے ہوئے شکنجے سے نکلنے کا کوئی عزم نہیں رکھتے۔

1991ء میں جب پہلا فیصلہ آیا تھا نواز شریف وزارت عظمیٰ پر براجمان تھے۔اس کے بعد یہ فیصلہ تعطل کا شکار رہا، یہ دور بینظیر کی وزات عظمیٰ کا تھا،1999ء میں جب دوسرا فیصلہ آیا تو پرویز مشرف کی فوجی حکومت تھی۔

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

بہرحال چند دن کی سماعت کے بعدنظر ثانی کے لئے تشکیل کردہ بینچ نے انتہائی عجلت میں24 جون 2002ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے شریعت اپیلیٹ بینچ کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مقدمے کو از سر نو ع سماعت کے لئےدوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں بھیجنے کے احکامات صادر کر دئےاس طرح اس عدالت نے طویل کوششوں اور جاں گسل محنتوں پر پانی پھیر دیا اور انسداد سود کا یہ دوسرا فیصلہ بھی کالعدم قرار دیا گیا۔

شرعی عدالت کا سرد خانہ

اب تیسری مرتبہ یہ کیس پھر شرعی عدالت کے سپرد ہوگیا۔پہلا فیصلہ جو1991ء میں شرعی عدالت کی طرف سے آیا تھا،جسے تسلیم نہیں کیا گیا۔وہ 1999ءتک سپریم کورٹ کے سرد خانہ میں پڑا رہا،جب اس کی طرف سے دوسری مرتبہ فیصلہ آیا جس سے پہلے فیصلے ہی کی توثیق کی گئی تھی،اسے بھی نظرثانی کے نام پر سبوتاژ کر دیا گیا۔اور اسے پھر شرعی عدالت میں بھیج دیا گیا۔اس کیس کو پھر سرد خانے کی نذر کر دیا گیا۔ بالآخر بعض حضرات کی کوششوں سے 22 اکتوبر 2013ءسے اس مقدمے کی سماعت کا آغاز کیا گیا۔

پہلی سماعت کے بعد دوسری سماعت پر شرعی عدالت نے بتایا کہ ایک سوال نامہ تمام درخواست گزاروں، ماہرین قانون، علماء اور ماہرین اقتصادیات کو ارسال کیا جائے گا جس کی روشنی میں ڈیمانڈ کردہ اس کیس پر بحث کی جائے گی۔چنانچہ 16 سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ شرعی عدالت کی طرف سے بذریعہ مراسلہ واخباری اطلاعات بھیجا گیا اور کہا گیا کہ اس کا جواب تیار کر کے 5 نومبر تک شرعی عدالت کے رجسٹرار کو ارسال کیا جائے۔

دیا تھا۔اس کے بعد اس قسم کے سوالات کی قطعاً ضروریرابطہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔ان سوالات اور جوابات سے بحث کے نہایت اہم گوشے واضح ہو چکے تھے اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ نے ان کی روشنی ہی میں اپنا فیصلہ صادر کیا تھا۔

بہرحال ان 14 سوالات کے جوابات بھی وفاقی شرعی عدالت کو بہت سے اہل علم نے ارسال کر دیے تھے لیکن اس کے باوجود شرعی عدالت میں یہ مقدمہ زیر بحث نہیں آ سکا۔اس دوران میں ایک دو مرتبہ بعض حضرات کی طرف سے کوششیں بھی کی گئیں لیکن ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔

چوتھی مرتبہ شرعی عدالت میں اور ہوا کا رخ

اب اپریل 2017ء میں چوتھی مرتبہ وفاقی شرعی عدالت میں اس کیس کی سماعت شروع ہوئی اور پہلی سماعت کے بعد بحث غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔

معلوم نہیں اب اس کا دوبارہ آغاز کب ہوگا اور کس طرح ہوگا؟ ہوا کا رخ تو کسی خطرناک طوفان کی نشاندہی کر رہا ہے اور چیف جسٹس صاحب کے تیور اور سوالات کا انداز بھی اس کی غمازی کر رہا ہے۔اللہ خیر کرے۔

اخباری رپورٹ میں چیف جسٹس صاحب کے جو ریمارکس شائع ہوئے ہیں،وہ کسی طرح بھی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کے شایان شان نہیں ہے۔ان میںایک بات یہ کہی گئی کہ نزول قرآن کے وقت کی معیشت آج سے مختلف تھی، آج اس کو کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے؟

یہ بات تو وہ لوگ کہتے ہیں جو آج کے دور میں اسلام کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں اور ان کی دلیل بھی یہی ہوتی ہے کہ آج کا معاشرہ اور حالات اسلام کے ابتدائی بدوی معاشرے سے مختلف ہیں۔اسلام کی تعلیمات آج کے معاشرے میں نافذ نہیں ہو سکتیں۔کیا فاضل چیف جسٹس صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ان کے بیان سے تو ان کا یہی موقف واضح ہو رہا ہے۔اور یہ موقف اتنا کمزور،پھس پھسا اور بے بنیاد ہے جس سے پاکستان کا مقصد وجود ہی محل نظر قرار پاتا ہے اور آئین پاکستان میں جن دفعات میں قرآن و سنت کے نفاذ اور حکومت کو ان کا پابند بنایا گیا ہے وہ بھی بے مقصد اور محض نمائشی قرار پاتی ہیں۔کیا یہ تاثر صحیح ہوگا؟اگر یہ صحیح ہے تو پھر شرعی عدالت کے قیام کا بھی کیا جواز ہے؟

پر مفصل بحثیں ہو چکی ہیں جن میں یہ طے پا چکا ہے کہ اس کا مصداق ایک ہی ہے اور وہ ربا کی وہ صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حرام قرار دیا ہے۔

ربا عربی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ متبادل لفظ فارسی میں سود ہے اور اردو میں بھی یہی لفظ ربا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، انٹرسٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے جو ربا کے ہم معنی ہی ہے، ایک لفظ کے مختلف زبانوں کے اعتبار سے الگ الگ الفاظ ایک دوسرے سے ہم معنی و مفہوم کے اعتبار سے مختلف تو نہیں ہوتے، سب کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

یہ ریمارکس خلط مبحث یا اصل بحث سے گریزی کی ایسی صورت ہے، جو فاضل عدالت کے فاضل جج سے متوقع نہیں ہے علاوہ ازیں موصوف نے انٹرسٹ کا مفہوم بھی خود بیان فرما کر سود کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ انٹرسٹ کا مطلب موجودہ دور میں سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ سمجھا جاتا ہے اگر فاضل موصوف کی اس بات کو درست سمجھ لیا جائے تو سود کے جواز اور عدم جواز کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر موصوف اپنے اس موقف پر ہی قائم رہتے ہیں جو یکسر کہ غلط اور بے بنیاد ہے تو پھر اس بینچ کی طرف سے جو فیصلہ آ سکتا ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

پس چہ باید کرد؟

اس صورت حال میں اہل دین کی کیا ذمہ داری ہے جو ملک کو سود جیسی لعنت سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشاں بھی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے قانونی و آئینی ماہرین سے مشاورت کر کے شرعی عدالت کے موجودہ بینچ کے بارے میں غور ہونا چاہئے کہ یہ بینچ آئینی ضابطے کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس بینچ کو اس مقدمے کی سماعت کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کے فیصلے کو قانونی حیثیت حاصل ہو۔

شرعی عدالت کے بارے میں آئین کیا کہتا ہے؟

یہ مسئلہ اس لئے نہایت قابل غور اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ شرعی عدالت کے ابتدائی سالوں میں حد رجم کا مسئلہ زیر بحث رہا تھا۔ اور اس وقت آفتاب حسین صاحب شرعی عدالت کے سربراہ تھے، اس وقت عدالت کے سربراہ کو چیف جسٹس نہیں بلکہ چیئرمین کہا جاتا تھا گویا جسٹس آفتاب حسین،

فیصلہ دیا کہ اسلام میں رجم کی کوئی حد نہیں ہے۔

ظاہر بات ہے کہ یہ فیصلہ متواتر احادیث اور اجماع ائمہ کے یکسر خلاف تھا۔اس لئے اس فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیا جس سے مجبور ہو کر صدر ضیاء الحق نے شرعی عدالت کے آئین میں یہ ترمیم کردی کہ عدالت میں دیگر ججوں کے تین علماء بھی شرعی عدالت میں بطور جج لازمی ہوں گے اور اس کے مطابق تین علماء کو جج نامزد بھی کیا گیا۔ ان میں ایک غالباً شفاعت حسین قادری تھے،دوسرے پیر کرم شاہ ازہری اور تیسرے ڈاکٹر فدا محمد خان۔ بعد میں مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس کے جج رہے۔اس نئے بینچ کی تشکیل کے بعد مسئلہ حد رجم پر دوبارہ بحث ہوئی جس میں راقم نے بھی بیان دیا تھا،اور پھر فاضل عدالت نے نیا فیصلہ دیا جس میں رجم کو حد شرعی تسلیم کیا گیا۔

اس مختصر تفصیل سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سب سے پہلے شرعی عدالت کے اس بینچ کی آئینی حیثیت پر غور کیا جائے جو اس مقدمے کی سماعت کے لئے بنا ہے،کہیں ایسا نہ ہو کہ دوبارہ حد رجم جیسا غیر شرعی فیصلہ سامنے آ جائے۔

اگر بینچ میں تین علماء بطور جج شامل ہوں گے جیساکہ آئینی تقاضا ہے تو امید ہے کہ بحث کا رخ صحیح ہو گا اور شریعت کے واضح احکام سے انحراف کا امکان بہت کم ہو جائے گا۔

فاضل عدالت سے گزارش

دوسری گزارش ہم فاضل ممبران سے کریں گے کہ اس مقدمے کا دو مرتبہ ایسا فیصلہ ہو چکا ہے جو قرآن و حدیث کے واضح دلائل پر مبنی ہے اور پورے ملک میں اس کو سراہا گیا ہے۔اب اگر شوق اجتہاد میں اس سے انحراف کیا گیا تو ایک تو یہ ہے قرآن کی بیان کردہ تمثیل کی روشنی میں اس عورت کے کردار کی طرح ہو گا جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے کردار سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا

النحل – 92

ترجمہ:"اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا"۔

اللہ تعالیٰ نے اس موجودہ بینچ کو ایک نہایت اہم موقع عطا فرمایا ہے۔وہ اس سے فائدہ اٹھا کر سابقہ فیصلوں کی توثیق کر کے ایک بہت بڑی سعادت اور عظیم سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں،اور اگر ایسا نہ ہوا اور

عدالتوں کے حد رجم کی بابت غیر اسلامی فیصلے کو رد کر دیا گیا تھا

ہماری خواہش اور دعا ہے کہ فاضل عدالت کی طرف سے وہ مذکورہ حدر جم کی طرح کے فیصلے کا اعادہ نہ ہو بلکہ اسلامیان پاکستان کے جذبات کا اسی طرح آئینہ دار ہو جیسے سابقہ دونوں فیصلے تھے۔

وفقنااللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ۔ آمین

نوٹ: اس مضمون میں بہت سی معلومات حافظ عاطف وحید صاحب (تنظیم اسلامی) کے پمفلٹ انسداد سود کا مقدمہ سے بھی لی گئی ہیں۔

سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بنچ کے سوالات کے جوابات[1]

سوال نمبر1: ربا کی حقیقت، تعریف اور معنویت کیا ہے؟

جواب: رِبا عربی زبان کا لفظ ہےاور قرآن کریم میں بھی استعمال ہواہے۔اس کے لغوی معنی زیادتی، بڑھوتری، اضافے کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں اس سے مراد مطلق اضافہ اور زیادتی نہیں ہے، بلکہ ایک مخصوص قسم کی زیادتی ہےاور وہ ہے کہ "کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم ادھار دیناکہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا۔" مثلاً کسی کو سال ۴ یا چھ مہینے کے لیے 100 روپے قرض دیئے، تو اس سے یہ شرط کرلی کہ وہ 100 کے 120 روپے لے گا۔ مہلت کے عوض یہ 20روپے جو زیادہ لیےگئے ہیں، یہ سود ہے۔ ورنہ انسان کاروبار کرتا ہے تو وہ سو روپے کے عموماً 20،25روپے نفع کمالیتا ہے، یاکسی کو سو روپے قرضِ حسن کے طور پر دیتا ہے، دیتے وقت سوائے ہمدردی اور ثواب کے کوئی اور نیت نہیں تھی۔ لیکن قرض لینے والا اپنے طور پر

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ

الرحمٰن — 60

کے تحت 10،20 روپے زائد دے دیتا ہے تو یہ دونوں اضافے سود کی ذیل میں نہیں آئیں گے،کیونکہ کاروبار اور تجارت ایک جائز فعل ہے، اللہ نے اسے حلال اور مشروع کیاہے، اور اس کا مقصد ہی نفع کمانا ہے۔ اس لیے تجارت کے ذریعے سے جتنااضافہ حاصل ہو گا بشرطیکہ اس میں کسی امر حرام کاارتکاب نہ کیاگیا ہو، وہ حلال اور جائز ہو گا۔اسی طرح قرض دیتے وقت، قرض دینے والے نے زیادتی کی کوئی شرط عائد نہیں کی تھی، صرف اللہ کی رضا کے پیش نظر مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے قرض دیا تھا، اب قرض

بہر حال سود کی تعریف میں وہ اضافہ آئے گا جو شرط کرکے لیا جائے اور وہ اضافہ بھی صرف مہلت کا عوض ہو۔ یہ ربا النسیئۃ یا ربا الجاھلیۃ کہلاتا ہے۔ اسے ربا النسیئۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ادھار پر سود لیا جاتا ہے کہ اس کے معنی ہی ادھار کا سود ہیں۔ اور اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا چلن تھا، اس لیے اسے ربا الجاھلیۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شریعت نے ربا کی بعض مزید صورتوں کو بھی حرام کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبروالشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل يدً بيد،فمن زاد أواستزاد فقد أربى،الآخذ والمعطى فيه سواء“

”سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے، یہ برابر برابر ہوں اور ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہوں۔ (تب ان کا باہمی تبادلہ جائز ہے) جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا، تو اس نے سودی معاملہ کیا، لینے اور دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں“۔[3][4]

اس حدیث کی رو سے (مثلاً) گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے، تو ایک تو وہ برابر برابر ہو دوسرے ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہونا بھی ضروری ہے۔ اس میں کمی بیشی ہو گی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ (نقد) ہونے کی بجائے ایک نقد اور دوسری ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں، تب بھی یہ سود شمار ہو گا۔ تاہم ایک جنس کا دوسری جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے، بشرطیکہ دست بدست (ہاتھوں ہاتھ) ہو۔

غرض شریعت میں ربا کا اطلاق ”بیع میں ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے میں کسی ایک چیز میں ہو یا قرض کی واپسی کے وقت اصل چیز یا رقم میں ہو“۔ پر ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں:

1 **ربا لفضل**: ایک جیسی دو چیزوں کے تبادلے کے وقت ایک چیز کے عوض میں زیادہ لینا۔[5]

2 **ربا لنسیئۃ**: ایک جیسی دو متبادل چیزوں میں سے کسی ایک کا زیادہ معاوضہ لینا، مگر ایک مقررہ مدت کے بعد۔

یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ سودی معاملے میں کسی قسم کا تعاون بھی لعنت اور غضبِ الٰہی کا باعث ہے۔ اس شدت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایسا معاشرہ تعمیر کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد اُخوت، ہمدردی، ایثار و قربانی پر ہو۔

استحصال اور ظلم پر ہے۔ اس میں اصحابِ ثروت کسی ضرورت مند سے اللہ کی رضا کے لیے تعاون پر آمادہ نہیں ہوتے۔ انہیں صرف اپنے مفاد سے غرض ہوتی ہے، غریب کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کے باوجود ان کی حرص میں کمی نہیں ہوتی۔ اس لیے شریعت نے ہر قسم کے سود کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے۔ چاہے وہ ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے دیئے گئے قرض پر وصول کیا جائے یا تجارتی مقاصد کے لیے حاصل کردہ رقم پر۔

سوال نمبر2: کیا "ربا" کی اصطلاح کا بینکوں اور مالیاتی اداروں کے دیئے گئے قرضوں اور ان پر عائد کردہ سود پر بھی اطلاق ہوتا ہے؟{

جواب: یہ سوال اس لیے پیدا ہوا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ "قرآن نے جس سود سے روکا ہے، وہ صرف وہ سود ہے جو ذاتی ضروریات کے لیے لیے گئے قرض پر لیا جائے۔ لیکن جو قرض تجارت اور کاروبار کے لیے لیا جائے۔ اس پر لیا جانے والا سود اس کی ذیل میں نہیں آتا اور نہ وہ ممنوع ہی ہے، کیونکہ نزولِ قرآن کے وقت تجارتی قرض کا رواج ہی نہ تھا۔ لیکن یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ علماء نے بڑی وضاحت اور تفصیل سے یہ ثابت کردیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضے لیے جاتے تھے، ذاتی ضروریات کے لیے بھی اور کاروبار اور تجارت کے لیے بھی اور دونوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور قرآن کریم میں بغیر کسی قسم کی تفریق کے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، جس کا مطلب ہر قسم کے سود کی ممانعت اور حرمت ہے، چاہے قرض ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا تجارت کے لیے۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں ظلم اور خود غرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ ذاتی ضرورت پر لیے گئے قرض پر سود کا ظلم تو مسلّم ہے، لیکن تجارتی قرض پر سود میں بھی ظلم صریح اور بدترین خود غرضی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے بینک سے یا کسی ساہوکار سے کاروبار کے لیے قرض لیا، لیکن کاروبار نہ چل سکا یا کاروبار میں نقصان ہوگیا۔ لیکن قرض دہندہ تو ہر صورت میں اپنا سود کا مطالبہ جاری رکھے گا، حالانکہ وہاں اصل رقم بھی ڈوب گئی ہے چہ جائیکہ وہ اس کے منافع سے سود ادا کرے۔ لیکن بینک یا سود خور مہاجن کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی، وہ اصل رقم کے ساتھ اپنا طے شدہ سود بھی ضرور وصول کرے گا۔ اسلام اس ظلم اور خود غرضی کی اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟ اس لیے اسلام میں دونوں قسم کے قرضوں پر

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں تجارتی مقاصد کے لیے قرض لینے اور دینے کا رواج ہی نہیں تھا صرف ذاتی ضروریات کے لیے ہی قرض لینے اور دینے کا معمول تھا۔اس لیے جو سود حرام کیا گیا ہے،وہ صرف ثانی الذکر قسم کا سود ہے نہ کہ اول الذکر سود۔کیونکہ پہلی قسم کے سود کا تو وہاں رواج ہی نہیں تھا۔اس بنا پر وہ صنعت اور کاروبار کے لیے لیے ہوئے قرض پر سود کو جائز قرار دیتے ہیں۔اس کو وہ تجارتی سود سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی بابت کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے،اس سے تو لوگ کاروبار کر کے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اگر وہ اس فائدے میں سے تھوڑا سا فائدہ صاحبِ مال کو ایک سالانہ شرح کے حساب سے لوٹا دیں،تو یہ کس طرح ناجائز ہو سکتا ہے؟ یہ تو صاحبِ مال کا وہ حق ہے جو اپنے مال کی وجہ سے اسے ملنا چاہئے۔لیکن اوّل تو یہ دعویٰ ہی صحیح نہیں کہ عرب میں تجارتی قرض کا رواج نہیں تھا،عربوں میں تجارتی مقاصد کے لیے بھی قرض لینے دینے کا رواج تھا۔علاوہ ازیں صنعت و تجارت میں لگے ہوئے سرمائے کی بابت کوئی شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ بہر صورت نفع دے گا،کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ لاکھوں کروڑوں کا سرمایہ ڈوب جاتا ہے۔لیکن بینک یا ساہوکار کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔وہ ہر صورت میں اپنے دئیے ہوئے قرض پر سالانہ شرح سے سود وصول کرنا ضروری سمجھتا اور وصول کرتا ہے۔کیا یہ ظلم نہیں،خود غرضی نہیں،استحصال نہیں؟اگر نقصان نہ ہو تو یہ سودی قرض گرانی کا باعث بنتا ہے۔ایک صنعت کار جتنا سود ادا کرتا ہے اسے وہ پیداواری لاگت میں شامل کر کے اپنی تیار کردہ اشیاء کی قیمت مقرر کرتا ہے،جس سے عوام کو وہ چیز نسبتاً مہنگے داموں خریدنی پڑتی ہے۔اس لیے اسلام نے ہر قسم کے سود کو حرام کر کے ظلم و استحصال اور گرانی کے ایک بہت بڑے ذریعے اور سرچشمے کو بند کر دیا ہے۔

تجارت اور سود میں فرق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سودی قرض بھی تو ایک تجارت ہے،قرآن نے ان کا یہ قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّـهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ

البقرة — 275

ترجمہ:"بیع بھی تو مثل سود ہی کے ہے"۔

اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:یہ دونوں چیزیں کس طرح ایک ہو سکتی ہیں۔بیع کو تو اللہ نے حلال

جس سے واضح ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں تجارت میں تو نقد رقم اور کسی چیز کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے۔دوسرے اس میں نفع کا اِمکان رہتا ہے۔جبکہ سود میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں، تیسرے، تجارت باہم تعاون وتناصر کا نام ہے جبکہ سود خود غرضی، بے رحمی اور سنگ دلی کا۔ چوتھے تجارت میں رقم اور چیز کے تبادلے کے بعد دونوں ایک دوسرے کے تبادلے کے مالک بن جاتے ہیںاور اس کے بعد ان کا آپس میں کوئی مطالبہ نہیں رہتا۔ جبکہ سود میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ صاحب المال کی طرف سے ہر سال زیادتی کا مطالبہ رہتا ہے جو سالہا سال تک بلکہ بعض دفعہ نسل در نسل چلتا رہتا ہے۔ ان وجوہ سے سود اور تجارت ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ ایک حلال ہےااور دوسرا حرام۔

لیکن افسوس کی مسلمانوں میں مغرب کی نقالی میں معیشت کی ساری بنیاد سودی نظام پر قائم ہے اور اس سے بچنے کی کوئی سعی و کاوش اسلامی ملکو نکے مغرب زدہ حکمرانوں کی طرف سے نہیں ہو رہی۔ اس طرح مسلمان عوام میں بھی اب سود سے بچنے کا کوئی جذبہ نہیں رہااور ان کی اکثریت بینک کے سود کو وصول کرتی اور کھاتی ہے اور سودی کھاتوں میں شریک ہوتی ہے۔

بنابریں بینکوں اور مالیاتی اداروں کے دیئے ہوئے قرضوں اور ان پر عائد کردہ سود پر بھی ربا کا اطلاق ہوگا، کوئی بھی سودی قرضہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

سوال نمبر3: پاکستانی بینک اور بعض مالیاتی ادارے اپنے گاہکوں، مارک اپ پر دوبارہ خریداری کے معاہدوں کی بنیاد پر رقم دیتے ہیں۔ اس طریق کار کے تحت بینک کا گاہک یہ مراد لیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص جنس بینک کو فروخت کرتا اور عین اسی وقت اس جنس کو موثر ادائیگی کی بنیاد پر زیادہ مدت کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے۔ مارک اَپ کی کوئی شرح (فی صد سالانہ) کا اطلاق دوسری فروخت پر ہوتا ہے۔ کیا یہ معاہدہ "ربا" کے زمرے میں آتا ہے؟

جواب: یہ بھی ایک حیلہ ہے جس کا مقصد سودی نظام کا نام بدل کر اسے جائز قرار دینا ہے، اس میں بینک کا گاہک قطعاً کوئی چیز بینک کو فروخت نہیں کرتا، صرف فرض کر لیا جاتا ہے جب کہ ایسا کرنا ممنوع ہے، کیونکہ جس چیز کا عملاً وجود ہی نہیں ہے، اُسے فروخت کرنے کے کیا معنی ؟ نبیﷺ نے قبل القبض (اپنے قبضے میں لینے سے پہلے) کسی چیز کو فروخت کرنے سے منع کیا فرمایا ہے۔ جب قبل القبض ہی فروخت کرنا جائز نہیں

پھر وہ گاہک (جو اصل میں بینک سے قرض لینے کا خواہش مند ہوتا ہے) بینک سے اپنی (فرضی) فروخت شدہ چیز بینک سے زیادہ مدت کے عوض دوبارہ خرید لیتا ہے (جس کا مطلب دراصل زیادہ رقم کا حصول ہے) اور پھر وہ گاہک بینک کا سود ادا کرتا رہتا ہے جس کا نام مارک اپ رکھ لیا گیا ہے۔ اصل مقصد بینک سے تجارت کے لیے قرض لینا ہی ہے، لیکن سیدھے طریقے سے ناک پکڑنے کی بجائے ہاتھ کو پیچھے سے گھما کر ناک پکڑنے کا کام کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ بھی ایک سودی حیلہ ہی ہے جس کا جواز تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

سوال نمبر 4: کیا "ربا" کی حرمت کے معاملے میں ایک مسلمان اور غیر مسلم کے مابین کوئی فرق ہے؟ کیا "ربا" کی حرمت کا دائرہ غیر مسلموں سے لیے گئے قرضوں یا ایسے مسلم ممالک جن کے قوانین اور قومی پالیسیاں بین الاقوامی مالیاتی قوانین اور پالیسیوں سے منسلک نہیں اور صدر مملکت پاکستان کے کنٹرول میں نہیں ہیں، تک بڑھایا جا سکتا ہے؟

جواب: "ربا" کی حرمت میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کوئی سودی معاملہ نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک مسلمان کسی غیر مسلم کے ساتھ سودی لین دین نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے اس میں فرق کیا ہے ان کے پاس اس کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس قول کو ان کے اپنوں نے بھی تسلیم نہیں کیا ہے۔

علاوہ ازیں اس کی حرمت کا دائرہ ان تمام مالیاتی قوانین اور پالیسیوں تک وسیع ہے جن پر سودی معاملات کا اطلاق ہوتا ہے، چاہے وہ قرضے غیر مسلموں سے حاصل کیے گئے ہوں یا مسلم ممالک سے، چاہے وہ پاکستان کے کنٹرول میں ہوں یا نہ ہوں۔ ان چیزوں سے سود کی حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اصل چیز سود کی وہ تعریف ہے جو پہلے گزری، جو بھی معاملہ اس کی زد میں آئے گا اور اس تعریف کا مصداق قرار پائے گا، اس پر یقیناً حرمت کا اطلاق ہوگا۔

سوال نمبر 5: حکومتِ پاکستان اور اس کے زیر کنٹرول بعض ادارے بانڈز اور سرٹیفکیٹس وغیرہ جاری کر کے قرضے حاصل کرتے ہیں اور ایسے بانڈز کے حامل افراد کو مقررہ ہر مدت کے بعد منافع ادا کرتے ہیں۔ کیا یہ منافع "ربا" کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب: یقیناً ان پر "ربا" کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ یہ قرضے ہیں، کوئی کاروباری شراکت نہیں ہے، اور

بدلے میں مہلت کا معاوضہ وصول کرنا ہے، جو خالص سود ہے، اس کا نام منافع رکھ لیا گیا ہے، گویا شراب کی بوتل پر "روح افزاح" کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔

سوال نمبر6: یہ امر واضح ہے کہ کاغذ کی کرنسی افراطِ زر کی صورتِ حال میں اپنی قیمت کم کرنے کے رجحان کی حامل ہے۔ ایک قرض دار جو پیپر کرنسی کی اپنی مخصوص رقم اگر بطور قرض حاصل کرتا ہے، تو جب وہ یہ رقم ایک طے شدہ مدت کے بعد اپنے قرض خواہ کو لوٹاتا ہے، تو قرض خواہ افراطِ زر کی وجہ سے نقصان اٹھا سکتا ہے۔ اگر قرض خواہ اپنے قرض دار سے اپنے نقصان کی تلافی کے لیے مزید رقم ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے ،تو کیا یہ مطالبہ سود طلب کرنے کے مترادف قرار دیا جا سکتا ہے؟

جواب: یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، کیونکہ جو ملک اقتصادی اور سیاسی استحکام سے محروم ہیں، جن میں بد قسمتی سے پاکستان بھی شامل ہے، وہاں آئے روز افراطِ زر کی صورت حال نمودار ہوتی رہتی ہے، جس سے کرنسی کی قدر و قیمت مسلسل گھٹتی ہے۔ اس لیے طویل المیعاد قرضوں پر یقیناً قرض خواہ کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اب اس نقصان کی تلافی کے لیے قرض خواہ اپنے قرض دار سے مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو یہ سود کی ذیل میں تو نہیں آئے گا؟۔ یقیناً یہ قابل غور اور اجتہادی مسئلہ ہے اور اس قسم کے مسائل کے حل کے لیے اجتماعی اجتہاد ناگریز ہے، یعنی عالم اسلام کے جید علماء اور ماہرین معیشت مل کر اس کے تمام پہلوں پر غور کریں اور اس کے لیے کوئی اصول اور ضابطہ طے کریں تاکہ کسی فریق پر ظلم نہ ہو سکے۔ کیونکہ جس طرح ظلم کرنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح کوئی دوسرا شخص یا فریق ظلم کا ہدف بن رہا ہو، تو اس کے ازالے کے لیے بھی سعی کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم کے حکم

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ

البقرة — 279

ترجمہ: "خود ظلم نہ کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے"۔ کا مفاد بھی یہی ہے۔

آج سے کئی سال قبل شرعی عدالت میں بھی اس قسم کا ایک کیس آیا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ شفعہ کا ایک مقدمہ 20 سال کے بعد انجام کو پہنچا ہے، جبکہ 20 سالوں میں کرنسی کی قدر و قیمت بہت گھٹ چکی ہے۔ اب قیمت کی ادائیگی وہی کی جائے جو 20 سال قبل لی گئی تھی، جو کہ گھٹتے گھٹتے برائے نام رہ گئی ہے، یا اب

وقت فاضل عدالت کے سامنے جو رائے پیش کی تھی، مناسب معلوم ہوتا ہے، اسے علماء کی غور و فکر کے لیے یہاں دہرایا جائے۔ یہ تحریر عدالت میں تو شاید محفوظ ہو گی، لیکن کسی اور جگہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ یہ حسبِ ذیل ہے:

کرنسی کی قوت خرید میں کمی کا ادائیگی پر اثر:

چند سالوں سے کرنسی نوٹ اپنی مالیتی اعتبار سے جس غیر یقینی صورت حال سے دو چار ہے، اس کے پیش نظر زیرِ بحث مسئلہ فی الواقع سنجیدہ غور و فکر کا مستحق ہے۔ علماء کو اجتماعی غور و فکر اور بحث و تمحیص کے ذریعے سے اس کا شرعی حل پیش کرنا چاہیئے۔۔۔اس سلسلے میں راقم کی رائے حسب ذیل ہے:

کرنسی نوٹ موجودہ دور میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ سونے چاندی کے سکوں کی بجائے اب یہی نوٹ اس کے متبادل بن گئے ہیں۔ لین دین اور مالی معاملات کی اساس بھی یہی نوٹ ہیں۔ اس لیے بعض علماء تو اس کو عرفاً ثمن تک کا درجہ دیتے ہیں، جس طرح کہ سونا چاندی اپنی اصل کے اعتبار سے ہی ثمن ہے۔ لیکن کرنسی کی تمام تر اہمیت کے باوجود اسے بعینہٖ سونا چاندی کی طرح بطورِ ثمن سمجھ کر سونا چاندی والا حکم اس پر لاگو کرنا بعض علماء کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کا زکوٰۃ کے لیے نصاب متعین ہے جبکہ کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کرنی ہو تو اس کے لیے کوئی متعین نصاب نہیں ہے، نہ ہی اس کا متعین ممکن ہے۔ کیونکہ کرنسی نوٹونکی زکوٰۃ کے لیے پہلے سونے یا چاندی (بہ اختلاف علماء) کے متعین نصاب کی کرنسی کے اعتبار سے قیمت متعین کی جائے گی اور پھر اس کے بعد اس کے بعد اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، جس میں ہر سال کمی بیشی کا امکان ہی نہیں، ایک حقیقت اور واقعہ ہے۔

مثلاً اگر کرنسی نوٹوں کے لیے سونے کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے (جیساکہ علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ علماء کا خیال ہے) تو ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت کرنسی کے اعتبار سے ہو گی۔ اتنی مالیت کے کرنسی نوٹ اگر کسی کے پاس زائد از ضرورت ایک سال تک موجود رہیں تو پھر ڈھائی فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، مثال کے طور پر اس وقت سونا 6000روپے فی تولہ ہے تو 45 ہزار کے کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ (شروطِ مقررہ کے مطابق) اس کے مالک پر عائد ہو گی، اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہو گی، لیکن سال دو سال بعد سونا 6 کی بجائے 7 ہزار فی تولہ ہو جائے تو پھر 45 ہزار روپے پر بھی زکوٰۃ عائد نہیں ہو گی۔ پھر یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہو گی تب قابل زکوٰۃ ہو گی۔ یوں سونے کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ کرنسی نوٹوں کی شرح

یہی صورت حال کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ چاندی کے نصاب سے وابستہ کرنے کی صورت میں پیش آئے گی۔ جیساکہ پاک و ہند کے علماء نے چاندی کے نصاب کو ہی کرنسی نوٹوں کی زکوٰۃ کے لیے بنیاد بنایا ہوا ہے اور اس اعتبار سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس کا نصاب ہے۔ اگر اتنی چاندی 6 ہزار کرنسی نوٹوں میں آتی ہے تو 6 ہزار کی رقم کرنسی نوٹوں کے لیے زکوٰۃ کا نصاب ہوگی۔ اگر 7 ہزار میں ساڑھے باون تولہ چاندی آئے گی تو 7 ہزار روپے ہوگا، 8 ہزار میں آئے گی تو 8 ہزار نصاب ہوگا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سونے چاندی کی طرح کرنسی نوٹوں کا کوئی متعین نصاب نہیں ہے، اس لیے شرعی طور پر یہ سونا چاندی کی طرح ثمنیت کے حامل نہیں سمجھے جاسکتے اور جب ان کی حیثیت بالکل سونے چاندی کی طرح نہ ہوئی تو اُصولی طور پر لمبے مالی معاہدات میں کمی بیشی کا جواز تسلیم کیا جانا چاہئے تاکہ کسی ایک فریق کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

بنا بریں حکومت اگر کوئی ایسا قانون یا اُصول وضع اور متعین کرتی ہے کہ جس کی رو سے مالی معاہدات میں کرنسی کی قیمت کے اُتار چڑھاؤ کا اعتبار کیا جا سکے تو شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد کرنسی کی قیمت میں خاطر خواہ کمی آجاتی ہے جس سے بعض دفعہ بہت سے لوگوں کو خاصا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اندرون ملک عام لوگوں کو بھی خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کو خاص منفعت حاصل ہو جاتی ہے ظاہر بات ہے کہ یہ صورتحال "لا ضرر ولا ضِرار" (مؤطا امام مالک، کتاب البیوع) کے خلاف ہے۔

اسلام کے اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کہ کرنسی کی قیمت مسلسل گر رہی ہے تو اس کے لیے حکومت کوئی ایسا اصول اور ضابطہ بھی تجویز کرے جس سے اس سے پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی بھی باآسانی ہو سکے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے رٹ گزار کے موقف کی اصولی تائید ہوتی ہے کہ 20 سال میں زمین کی قیمت مینسو فیصد ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے قانونِ حق شفعہ کی زیر بحث شق کو اس طرح تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جس سے خریدار کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ اس موقف میں بظاہر شرعاً کوئی قباحت نظر نہیں آتی کیونکہ اس طرح ایک فریق کے نقصان کا ازالہ مقصود ہے جو مستحسن امر ہے۔ تاہم یہ

جائے اس وقت تک عام لین دین میں معمول اور عرف کے مطابق کرنا ضروری ہے ... فی الحال یہی

کہ جتنی تعداد کے کرنسی نوٹوں میں سود اطے ہوا تھا یا معاہدہ ہوا تھا اتنی ہی تعداد کے وصول کرنے کا فریق ثانی حقدار ہوگا۔ کرنسی کی قیمت کی کمی کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ کسی اصول اور ضابطے کے بغیر مذکورہ اجازت مفاسد کثیرہ اور نزاعات کا باعث ہوگی۔ تاہم عدالتیں خصوصی کیسوں میں مذکورہ شرعی گنجائش کی روشنی میں کرنسی کی قیمت میں کمی سے پیدا ہونے والے نقصان کے اِزالے کا فیصلہ کر سکتی ہیں جیساکہ زیر بحث مقدمہ میں بھی اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

سوال نمبر 7: اگر سود یا مارک اَپ کی تمام اقسام اسلامی احکامات کے خلاف قرار دی جائیں تو آپ فنانسنگ کے کیا طریقہ ہائے کار تجویز کرتے ہیں:

(الف) تجارت اور صنعت کی فنانسنگ (ب) بجٹ کے خسارے کی فنانسنگ

(ج) بیرونی قرضوں کا حصول (د) اسی نوعیت کی دیگر ضروریات اور مقاصد

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ سود یا مارک اپ کی تمام قسمیں حرام ہیں۔ لیکن اس کے لیے متبادل صورتیں کیا یا کیا اختیار کی جاسکتی ہیں؟ یہ بہت تفصیل طلب مسئلہ ہے۔ اسے یہاں بیان نہیں کیا جاسکتا، علاوہ ازیں علماء اس کی تفصیلات بھی کما حقہ بیان نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ان کا میدان نہیںہے، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ علماء اور ماہرین معیشت باہم مل کر اس کا حل تلاش اور متبادل تجویز کر سکتے ہیں۔ بلکہ بہت سے حل اور تجاویز پہلے بھی مرتب ہو چکی ہیں جو کتابوں اور رپورٹوں کی شکل میں موجود ہیں۔ خود اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اس مسئلے کے حل کے لیے ماہرین معیشت کے مشوروں سے ایک رپورٹ تیار کی تھی جو موجود ہے، اس کے علاوہ بھی اسلامی بینکاری یا اسلامی معیشت کے نام سے بہت سی کتابیں تحریر شدہ موجود ہیں، جن میں اسی مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ سود سے بچ کر کس طرح ہم اپنے اقتصادی ڈھانچے کو استوار کر سکتے ہیں؟

نیت اگر صاف ہو اور سود سے بچنے کا جذبہ اور داعیہ قوی ہو، تو ابتدائی طور پر ان خاکوں اور تجاویز کو سامنے رکھ کر غیر سودی نظام کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ ابتدا میں یقینا مشکلات آئیں گی، صدیوں سے بنے بنائے نظام کی جگہ ایک نیا نظام قائم کرنا بلاشبہ جان جوکھوں کا کام ہے، لیکن جو قومیں عزم اور جذبے سے سرشار ہوتی ہیں، وہ مشکلات کو خاطر میں نہیں لاتیں، بلکہ تیشہ فرہاد سے جوئے شیر نکال کر دکھا دیتی ہیں۔ ہم بھی اگر ابتدائی مشکلات [illegible]

شار ہو کر یہ تہیہ کر لیں کہ ہم نے اس سودی نظام سے نجات حاصل کرنی ہے۔ تو یقیناً چند سالوں میں بھی ہم اس میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالی کا بھی وعدہ ہے کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ

العنکبوت — 69

"جو ہماری راہ میں کوشش کرتا ہے ہم اس کے لیے راہیں کھول دیتے ہیں"۔

تاہم اس میں کامیابی کے لیے دو محاذوں پر ہمیں سخت محنت اور جدو جہد کرنی پڑے گی۔ ایک محاذ قوم کی اصلاح و تربیت اور کردار سازی کا ہے، جس سے ہمارے حکمران بالکل غافل ہیں۔ حالانکہ اسلام کا پودا اسلام کی سرزمین پر ہی نشوو نما پا سکتا ہے، غیر اسلامی آب و ہوا میں ہرگز نہیں پنپ سکتا۔ اس وقت ہماری قوم سچائی، امانت و دیانت اور دیگر اخلاقی خوبیوں سے یکسر محروم ہے، الا ماشاء اللہ۔ اور اسلامی نظامِ معیشت کا پودا سچائی امانت اور دیانت کی سرزمین پر ہی لگ سکتا ہے، جب تک قوم کے اندر یہ وصف اور خوبی پیدا نہیں ہو گی، اس وقت تک غیر سودی نظام کا پودا یہاں لگ سکتا ہے نہ نشوو نما ہی پا سکتا ہے۔ اس کے لیے تعلیمی نصاب بدلنا ہو گا، تعلیمی اداروں میں اسلامی روح پھونکنی ہو گی، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان سب کا قبلہ درست کرنا ہو گا ان سب کا قبلہ اس وقت بالکل مخالف سمت میں ہے۔

دوسرے نمبر پر اسلامی معیشت کے اصولوں پر اپنے بینکاری نظام کو استوار کرنا ہے، اس سلسلے میں اب تک فکرو نظر کے دائرے میں جو کام ہوا ہے، اس سے استفادہ کیا اور اسے بنیاد بنایا جائے۔ لیکن چونکہ عمل کا میدان، فکرو نظر سے مختلف ہے۔ ممکن ہے عمل کے میدان میں نئی صورتیں پیش آئیں، جن کا حل پہلی رپورٹوں اور خاکوں میں نہ ہو۔ تو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دل میں اخلاص ہو اور جذبہ صادق ہو، تو قدم قدم پر رہنمائی ملتی رہے گی، راستے میں پہاڑ آئیں گے تو وہ بھی راستہ دینے پر مجبور ہوں گے، سمندر آئیں گے تو انہیں بھی عبور کرنا مشکل نہیں ہو گا۔ مخالفتوں کی بادِ تند بھی اپنا رخ بدل لے گی اور اغیار کی سازشوں کے طوفان بھی آہنی عزم کی چٹان سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے۔ شرط صرف ایک ہی ہے، ایمان، عزم اور قوتِ عمل سے سرشاری۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

آل عمران — 139

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بینک موجودہ سودی طریقہ کار اگر نفع ونقصان کی بنیاد پر مضاربت کا طریقہ چھوڑ کر اختیار کرتا ہے تو اس میں کامیابی کی کوئی اُمید نہیں۔ کیونکہ اس طرح اکثر لوگ کاروبار میں نقصان ظاہر کر کے بینک کی ساری رقم ہڑپ کر جائیں گے۔

موجودہ حالات میں بینک والوں کی یہ بات ایسی نہیں کہ اسے اہمیت نہ دی جائے اور اسے یوں ہی مذاق میں اُڑا دیا جائے، بلکہ قومی اَخلاق کی پستی اور کردار کی زبوں حالی اس انتہا کو پہنچی ہوئی ہے کہ بینک والوں کی بات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اس کے باوجود۔۔۔؟ عرض کریں گے کہ قوم کو اس اخلاقی پستی سے نکالنے کی ذمہ داری بھی تو حکومت کی ہے، وہ اس طرف بھی توجہ دے تاکہ اقتصاد و معیشت کی بنیاد بھی صحیح ہو سکے۔

لیکن تعلیم و تربیت اور اصلاح، یہ وسیع المیعاد پروگرام ہے، اوّل تو اس کی طرف کسی کی توجہ ہے نہ مستقبل قریب میں بظاہر کسی حکومت سے اس بارے میں اچھی اُمید ہی وابستہ کی جا سکتی ہے۔ اس لیے بینک کے لیے فی الحال کچھ متبادلات ہیں جن پر بینک سرمایہ کاری کر کے لاکھوں، کروڑوں کا نفع حاصل کر سکتا ہے۔

مثلاً جس صنعت و کارخانے وغیرہ کے لیے بینک رقم مہیا کرے، تو بینک اس کی مؤثر نگرانی کے لیے اپنے چند آدمی بھی اس میں رکھوا سکتا ہے، یہ نگرانی اور بندوں کی تقرری معاہدے کا باقاعدہ حصہ ہو، تو بینک کے ساتھ فراڈ کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

(2) بینک قابل کاشت زمینیں خرید کر اس پر سرمایہ کاری کریں اور مزارعت یا نقد ٹھیکے پر وہ زمینیں کاشت کرنے والوں کو دیں۔ یہ مزارعت اور نقد ٹھیکہ جائز ہے، بینک اس کاروبار کے ذریعے سے معقول آمدنی حاصل کر سکتے ہیں۔

(3) اسی طرح ملک میں زمینوں کا ایک بہت بڑا حصہ بیکار پڑا ہوا ہے، وہ زمینیں بنجر یا ریگستانی ہیں۔ لیکن اگر ان پر سرمایہ کاری کی جائے، تو وہ قابل کاشت ہو سکتی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ذاتی طور پر ایسا کیا ہے تو واقعی اس کے بہت مفید نتائج سامنے آئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں "جنگ" کے ایک کالم نگار جاوید چوہدری کا کالم بعنوان "چولستان کے دکھ کون سنے گا" شائع ہوا ہے، چولستان بہاولپور کا ایک صحرائی اور ریگستانی علاقہ ہے۔ اس علاقے میں ایک صاحب نے چند مربع زمین لے کر اس میں جو جنت ارضی بسائی

"چولستان سے واپسی پر ایک عجیب منظر دیکھا۔ ریت کے ٹیلوں، چھدری جھاڑیوں اور آوارہ بگولوں کے عین درمیان جنت کا ایک ٹکڑا تھا۔ زمین پر سبزہ بچھا تھا، گھنے درخت آسمان کی طرف منہ اُٹھائے کھڑے تھے، کپاس بار تھی اور چھوٹی سی نہر ساتھ ساتھ بہ رہی تھی، ہم لوگ وہاں رُک گئے۔ میں نے جنت کے رکھوالے سے مالک کا نام پوچھا، اس نے کولہوں پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا: "یہ سیٹھ عقیل الرحمن کے مربعے ہیں"۔ یہ نام میرے لیے جانا پہچانا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے سیٹھ صاحب کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا سیٹھ عقیل الرحمن قومی اسمبلی کے رکن ہیں، حکام کی مہربانی سے چولستان سے ساٹھ ستر مربع اراضی حاصل کی۔ اسے ہموار کیا اور میلوں دور بہتی نہر کا پانی کاٹ کر ریت کو سونا بنالیا۔ جب یہ داستان سنائی جارہی تھی تو میں سیٹھ عقیل الرحمن کا حوالہ یاد کرنے کی کوشش کررہا تھا مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں ان سے واقف ہوں یا میں نے اُن کے بارے میں سن رکھا ہے۔ ابھی داستان جاری تھی کہ میرے دماغ میں روشنی کا گولہ پھٹا اور میں نے اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: "کہیں یہ سیٹھ صاحب وہی تو نہیں ہیں" ساتھی نے ہاتھ چھڑا کر جواب دیا: "ہاں وہی سیٹھ عقیل الرحمن ہیں جو وزیراعظم کو ساتھ لے کر پہنچے، محکمہ آبپاشی کے افسر طلب کرائے اور انہیں پانی چوری کرانے کے جرم میں ہتھکڑیاں لگوادیں" میں نے حیران ہو کر پوچھا: "کیا ان کی زمینوں کو سیراب کرنے والا یہ پانی جائز ہے؟" میرے ساتھی نے قہقہہ لگایا اور ٹوپی سیدھی کرتے ہوئے بولا "چوہدری صاحب! ناسمجھ بچوں جیسے سوال نہ کیا کریں۔!! سیٹھ عقیل الرحمن کی تشکیل کردہ جنت سے آگے نکل کر میں نے سوچا، اگر نہر سے پانی کی پتلی سی لکیر نکل کر صحرا کے دوزخ میں فردوس کا یہ ٹکڑا تخلیق کرسکتی ہے تو ایک ذرا سی بڑی آبی لکیر پورے صحرا کو جنت کیوں نہیں بنا سکتی؟ صدیوں سے جگہ بدلتے ٹیلو ںاور برسوں سے بوندوں کو ترستے بگولوں نے سرگوشی کی "بنا سکتی ہے، بنا سکتی ہے"۔ لیکن اس کے لیے ایک دور تک سوچنے والا لیڈر چاہئے"۔ میں نے کہا "ہمارے پاس ایسا لیڈر رہے تو سہی" ٹیلے قہقہہ لگا کر بولے "نہیں نہیں جس لیڈر کے پاس مہر اقبال جیسے لوگوں کے زخموں پر پھاہے رکھنے کا وقت نہ ہو، وہ لاکھوں سال کی منتظر زمینوں کا دکھ سننے کے لیے فرصت کہاں سے لائے گا"۔[6]

(4) اسی طرح کمپنیوں کے شیئرز ہیں۔ اس میں بھی کاروباری شراکت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس میں اصل خرابی سٹے کا جز شامل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر قانونی طور پر اس خرابی کو شامل ہونے سے روک دیا

یہ سرمایہ کاری کی چند مثالیں ہم نے اس لیے دی ہیں کہ اگر مضاربہ میں کامیابی کا فی الحال امکان نہیں ہے تو سرمایہ کاری کا یہ واحد میدان نہیں ہے، بلکہ سرمایہ کاری کا میدان بہت وسیع ہے اور بہت سی جائز اور متبادل صورتیں سوچی اور اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اگر سود سے بچنے کا عزم قوی اور داعیہ سچا ہو، تو بہت سی راہیں نکل سکتی ہیں اور اس حرام کاری و حرام خوری سے قوم کو بچایا جا سکتا ہے ورنہ

ع خوئے بد را حیلہ بسیار!

اس خوئے بد اور حیلوں بہانوں کا علاج کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔ آپ متبادلات کا ڈھیر لگا دیں، خاکوں پر خاکے اور رپورٹوں پر رپورٹیں تیار کر کے دے دیں، ان سے ردّی میں تو اضافہ ہو گا، عمل و اقدام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہو گا۔ گویا ہمارا اصل مسئلہ متبادل اساس کا نہیں ہے، وہ تو موجود ہے اور اسے ہم اپنے عزم اور قوتِ عمل سے مزید بہتر اور سازگار بنا سکتے ہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اندر ایمانی عزم کی کمی ہے اور ہم حرام خوری سے بچنے کا کوئی جذبہ اور داعیہ ہی نہیں رکھتے۔

سوال نمبر8: اگر آپ کے خیال میں سود کی تمام اقسام شرعی طور پر حرام ہیں تو حقیقت سے اس کے خاتمے کے لیے آپ کیا طریقہ کار تجویز کرتے ہیں، کیا آپ موجودہ اقتصادی نظام کو فوراً ختم کر دیں گے یا قومی معاشی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریجی عمل تجویز کریں گے؟ اگر آپ تدریجی عمل کو ترجیح دیتے ہیں تو آپ اس مقصد کے لیے کیا حکمت عملی تجویز کرتے ہیں جو قرآن و سنت کے تقاضوں کے مطابق ہو؟

جواب: حکمتِ عملی کے طور پر تدریج کی اہمیت و ناگزیریت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن تدریج کے نام پر عملی اقدامات سے گریز کی تائید بھی نہیں کی جا سکتی۔ یہی تدریج مرحوم ضیاء الحق نے بھی اختیار کیے رکھی، جس سے قوم کو کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس لیے تدریج ضروری ہے، تو کوئی نظام بھی راتوں رات نافذ نہیں ہو سکتا۔ ایک بنے بنائے نظام کو، جس کی جڑیں بڑی گہری اور وسیع ہوں، اسے اکھیڑ کر ایک نیا نظام استوار کرنا، پھر اس کی نشو و نما اور استحکام کے لیے آب و ہوا بھی اس کے موافق بنانا (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا) ایک مناسب تدریج اور حکمتِ عملی کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ہمہ جہتی اقدامات، گو تدریج کے ساتھ ہوں، نہایت ضروری ہیں، اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ کسی ایک شعبے میں جزوی یا نیم دلانہ اقدامات سے کچھ نہیں ہو گا، یہاں تو مکمل آپریشن اور سرجری کی ضرورت ہے، جب تک قوم اس عمل جراحی سے نہیں گزرے گی، کسی بھی شعبے میں کامیابی ممکن نہیں۔

خاص طور پر حکومت پچھلے غیر ملکی قرضوں کے معاملے میں کیا طریق کار اختیار کرے گی؟

جواب: جہاں تک اندرونی معاہدات اور معاملات کا تعلق ہے، ان میں سود کا لینا اور دینا فوراً ممنوع قرار دیا جائے۔ تاہم کسی کی اصل رقم پر زد نہ پڑے، وہ ہر صورت میں واپس کی جائے۔ یا پھر یہ رقم مالکوں کی اجازت کے ساتھ غیر سودی معاملات میں شرعی طریقوں کے مطابق استعمال میں لائی جائے اور اس کے نفع نقصان میں ان کو شریک کیا جائے۔ اگر حکومت نے غیر سودی نظام قائم کرنے میں اخلاص کا ثبوت دیا، تو قوم بھی اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہو گی، کیونکہ قوم اپنی تمام تر کمزوریوں اور بد عملیوں کے باوجود اسلامی نظام کی خواہشمند اور اس کے لیے جذباتی وابستگی رکھتی ہے۔ اس کی اکثریت میں اب بھی اسلام کے لیے قربانی کا جذبہ اور داعیہ موجود ہے، بد قسمتی سے اب تک کوئی حکمران بھی ان کے اس جذبے سے فائدہ نہیں اٹھا سکا، بلکہ سب نے ان کا استحصال ہی کیا ہے، اس لیے قوم حکمرانوں سے مایوس ضرور ہے، لیکن اللہ سے مایوس نہیں ہے، وہ اب بھی کسی مسلمان مردِ غیب کی منتظر ہے۔ جس مقتدر ہستی میں اب بھی ان کو امید کی کوئی کرن نظر آئے گی، وہ اس پر اپنا مال ہی نہیں بلکہ دل و جان بھی فدا کرنے کے لیے تیار ہو گی۔ کاش کوئی مردے از غیب پیدا ہو اور "کارے بکند" کے مصداق کچھ کر کے دکھائے۔

جہاں تک بیرونی قرضوں کا تعلق ہے، یہ ہمارے حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہیں، جن کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ ان قرضوں نے ہم سے ہماری خودی چھین لی ہے، ہماری آزادی کو گروی رکھ دیا ہے، اور ہمیں خوئے غلامی میں پختہ تر کر دیا ہے۔ ان کا سلسلہ یکسر اور فوری طور پر ختم کرنا ضروری ہے۔ تاہم ان کی بھی اصل رقم کی ادائیگی ضروری ہے اور سود کی عدم ادائیگی کا فوری اعلان کر دینا چاہئے۔ ہمارے سامنے کئی ملک ہیں جنہوں نے عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے قرضے دینے سے بالکل انکار کر دیا ہے، صرف سود ہی نہیں، بلکہ اصل رقم بھی دینے کے لیے وہ تیار نہیں ہیں۔ جب دوسرے بعض ممالک اتنی جرأت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، تو کیا ہمارے اندر اتنی جرأت بھی نہیں کہ ہم صرف سود ادا کرنے سے انکار کر دیں جو سراسر ظلم ہے ہم ظلم کے خلاف بھی لب کشائی نہیں کر سکتے؟ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتے؟ غیر ملکی قرضوں کی دلدل سے نکلنے کا یہی واحد طریقہ ہے کہ ہم ایک خود انحصاری کی پالیسی اپنائیں اور ایک پیسہ بھی قرض نہ لیں اور دوسرے، اس جرأتِ گفتار اور قوتِ کردار کا مظاہرہ کریں کہ سود دینے سے انکار کر دیں۔ اگر ہم نے اپنے اندر یہ جرأت اور قوت پیدا کر لی، تو غیر ملکی طاقتیں ہمارا کچھ نہیں کر سکتیں۔ ہمارا موقف

سوال نمبر 10: کیا قرض دینے والا قرض سے متعلق منافع حاصل کرنے کا وقت اور اس کی شرح مقرر کر سکتا ہے جبکہ قرض لینے والا یہ کہہ رہا ہو کہ وہ مطلوبہ روپیہ کمانے اور بروقت رقم لوٹانے کے قابل ان شاء اللہ ہو جائے گا اور اس کے بعد قرض لینے والا رقم کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو گارنٹی دینے والا منافع، بونس یا تلافی کے لیے زائد رقم دے سکتا ہے۔ اگر اس صورت حال میں انشورنس کا نظام متعارف کرایا جائے تو اس کی کیا صورت ہو گی اور اس کا جواز ہو گا؟

جواب: یہ سوال کئی سوالات کو متضمن ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرض دینے والا قرض پر کوئی متعین منافع لے ہی نہیں سکتا، تو اس کی شرح مقرر کرنے کا کیا سوال ؟ البتہ قرض کی واپسی کے لیے وقت کا تعین کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ تو قرض دینے والے کا حق ہے کہ وہ اپنی رقم کی واپسی کے لیے وقت کی تعیین اور تاکید کرے۔ لیکن اس رقم پر چونکہ متعین منافع سود کی ذیل میں آتا ہے، اس لیے اس کی شرح کا تعین نہیں کیا سکتا، اگر کیا جائے گا تو یہ معاملہ سودی بن جائے گا۔

اسی طرح گارنٹی دینے والا بھی اصل رقم کی واپسی کی گارنٹی دیتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن منافع کی گارنٹی دیتا ہے، تو یہ سود کی گارنٹی دینا ہے جو نا جائز ہے۔

اس میں تیسرا مسئلہ انشورنس کے نظام کا ہے، انشورنس کی آج کل بے شمار قسمیں ہیں: قرض کے تحفظ کے لیے انشورنس کا کوئی نظام تجویز کیا جاتا ہے، تو ایسا کرنا جائز ہو گا بشرطیکہ اس کا طریق کار شریعت کے خلاف نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا مقصد سودی قرضوں کا تحفظ ہے تو یہ ناجائز ہو گا۔

نیز اس سوال سے اگر مقصد یہ ہے کہ قرضوں کی بروقت ادائیگی نہ کرنے سے دائن کو افراطِ زر کی وجہ سے جو نقصان ہو سکتا ہے، اس کے اِزالے کے لیے کوئی ضابطہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب اثبات میں ہے۔ اس کے لیے یقیناً ضابطہ بنایا جا سکتا ہے بلکہ بنایا جانا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں قرضوں کی وصولی ایک نہایت سنگین مسئلہ ہے۔ دائن تو ضرورت پر قرض دے کر ایک احسان کرتا ہے، لیکن ہماری قوم سخت احسان فراموش ہے، وہ حسن قضاء کی بجائے قرضہ ہی ہڑپ کر جانے کی کوشش کرتی ہے، علاوہ ازیں دکانداروں اور سرمایہ داروں میں بھی قرضوں کی عدم ادائیگی کا رجحان عام ہے، اس عادتِ بد کی وجہ سے بہت سے صنعت و حرفت سے وابستہ افراد، جو محدود سرمائے کے حامل ہوتے ہیں، اپنا کاروبار ہی بند کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے قرضوں کی بروقت ادائیگی کے لیے اگر کچھ اصول اور ضابطے تجویز کر لیے جائیں تو ان سے

دوسرے بروقت ادائیگی نہ کرنے میں جو نقصان ہو سکتا ہے،اس کا ازالہ افراطِ زر کی روشنی میں کیا جائے یا قرضوں کو کسی مستحکم چیز سے وابستہ کر دیا جائے، مثلاً چاندی یا سونے کی قیمت سے یا کسی مضبوط کرنسی سے۔ مثلاً کسی نے پچاس ہزار روپے چھ مہینے یا سال کے وعدے پر لیے، تو اس کے لیے ضابطہ بنایا جاسکتا ہے کہ جس تاریخ کو قرض دیا گیا،اس روز پچاس ہزار اتنے تولے سونے کی مالیت کے حامل تھے،یا اس کے اتنے ڈالر یا پونڈ آتے تھے،ادائیگی کے وقت اتنے ہی تولے سونے کی رقم یا اتنے ہی ڈالر پونڈ کی شکل میں وصولی کی جائے۔کاروباری قرضوں پر بالخصوص ان ضابطوں کا اطلاق کیا جائے،تاکہ کاروباری لوگ بلاوجہ محدود سرمایہ رکھنے والے لوگوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیں اور بروقت رقم کی ادائیگی کر دیں اور ادھار بھی کرنا ہو تو اسے زیادہ لمبا نہ کریں۔

اس ضابطے سے یقیناً قرضوں کے ڈوب جانے کے امکانات میں بھی کمی آئے گی اور چھوٹے موٹے کاروباریوں کی مشکلات بھی کم ہوں گی۔اس کے لیے پھر ایک عدالت کا قیام بھی ناگریز ہوگا،جہاں ان معاملات کا فیصلہ ہو سکے۔

هذا ما عندى والله اعلم بالصواب

---

[1] یہ مضمون آج سے تقریباً18،19 سال قبل کا تحریر کردہ ہے

[2] صحیح البخاری: باب حسن القضاء

[3] صحیح المسلم،کتاب المساقاۃ،باب الصرف بیع والذھب بالورق نقداً

[4] صحیح المسلم: حدیث نمبر:1584

[5] ربا الفضل کی مختلف صورتیں: ہر مال کا ایک وصف عام ہوتا ہے،اس اعتبار سے اسے جنس کہا جاتا ہے اور ایک وصف خاص ہوتا ہے جسے صنف (قسم) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے غلہ جات ہیں، یہ اپنے وصف عام (کہ ان کو کھایا جاتا ہے) کے اعتبار سے ایک جنس ہیں۔ یعنی کھانے والی جنس۔ لیکن وصف خاص کے اعتبار سے غلہ جات کی کئی صنفیں (قسمیں) ہیں۔ جیسے چاول، جو،گندم، مکئی جوار وغیرہ۔ یہ سب وصف عام کے اعتبار سے ایک جنس ہیں۔ جنس مطعومات، لیکن اپنے اپنے خاص اوصاف کے اعتبار سے یہ الگ الگ

کر۔۔۔ایک مال کی قسم وہ ہے جسے ثمن کہا جاتا ہے جیسے سونا، چاندی ہے اور اسی پر آج کل قیاس کیا جاسکتا ہے: سکے، کرنسی نوٹ، چیک اور کمپنیوں کے شیئرز (حصے) وغیرہ کو۔

شریعت میں ان دونوں قسموں کی بابت اَحکام وارد ہیں۔ حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر ہے وہ ان دونوں قسموں کو حاوی ہیں: سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک۔ بعض ائمہ نے سودی معاملات کو صرف ان چھ چیزوں تک محدود رکھا ہے۔ باقی دیگر چیزوں میں وہ کمی بیشی کو سود قرار نہیں دیتے۔ جب کہ دیگر ائمہ و فقہاء نے قیاس کرکے دوسری چیزوں کو بھی شامل کیا ہے۔ مثلاً جو کھانے والی چیزیں ہیں چاہے کَیلی (ماپی جانے والی) ہوں یا وزنی (تولی جانے والے) یا جن میں (سونے چاندی کی طرح) ثمنیت پائی جاتی ہے، یا بعض نزدیک جن کو ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔ اس حساب سے ایک جنس وزنی چیزوں کی ہے یعنی جنہیں تول کر بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ دوسری جنس کَیلی چیزوں کی ہے جنہیں پیمانوں سے ماپ کر بیچا جاتا ہے اور ایک جنس ان چیزوں کی ہے جنہیں ذخیرہ کیا جاسکتا ہو اور ایک جنس وہ ہے جو ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جیسے سونا، چاندی، سکے، کرنسی نوٹ وغیرہ، ان اَموال میں سودی اور غیر سودی صورتیں حسبِ ذیل ہونگی۔

(1) جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس اور قسم کے اعتبار سے ایک ہوں گی۔ مثلاً گندم کا گندم سے، چاول کا چاول سے تبادلہ ہو، تو اس میں کمی بیشی بھی حرام ہوگی اور اُدھار بھی۔ ان کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور مجلس عقد میں قبضہ بھی ضروری ہے۔

(2) دونوں تبادلو نوالی چیزیں جنس کے اعتبار سے ایک ہوں، البتہ قسم کے اعتبار سے مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز ہوگی تاہم اُدھار ناجائز۔ جیسے ایک کلو چاندی کا تبادلہ ایک یا دو گرام سونے کے ساتھ، ایک کلو جو کا سودا آدھا کلو گندم کے ساتھ۔ ایک دینار کا تبادلہ تین چار ریالوں کے ساتھ۔ اگر یہ سودا نقد ہوگا تو جائز ہے۔ اس میں ادھار کرنا صحیح نہیں ہے۔

(3) جب دونوں تبادلوں والی چیزیں جنس کے اعتبار سے بھی ایک نہ ہوں اور قسم کے اعتبار سے بھی مختلف ہوں تو ان میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار کرنا بھی جائز۔ جیسے (مثلاً) ایک کلو گندم کا ایک گرام سونے سے تبادلہ۔ ایک کلو کھجور کا سودا دس یا بیس تولہ چاندی کے ساتھ، ان میں کی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار کرنا بھی جائز۔

[6] روزنامہ جنگ، لاہور 4 ستمبر 1999ء

اسی سے متعلقہ



سپر اسٹورز کی انعامی اسکیموں کا حکم!

یا پھر شاپنگ مالز اور سپر اسٹورز خود اس طرح کی اسکیم متعارف کرواتے ہیں کہ اگر آپ پانچ ہزار یا دس...



قرض اور سود،L.C تاخیر پر جرمانہ،اسٹاک ایکسچینج،متفرقات

لیٹر آف کریڈٹ کی شرعی حیثیت کی وضاحت کریں؟ سود کی بنیادی تعریف کیا ہے؟ نیز تجارت ،اجارہ اور سود...



انشورنس اور تکافل میزان شریعت میں!

تمام تعریفات اللہ رب العالمین کے لئے ہیں جس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا، ہمیں بیشمار نعمتوں سے نوازا،...





معاشی استحصال کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

تعارف: آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی سیرت طیبہ ہر مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے نمونہ اور راہنما...



اسلامی معیشت میں زارعت کی اہمیت اور اس سے متعلقہ احکام!

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور شریعت اسلامی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رُشد و ہدایت حاصل کرنے کا...

مصنف / مقرر کے بارے میں

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

1945ء میں ریاست جے پور راجستھان میں آپ کی ولادت ہوئی، فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کا شمار پاکستان کے نامور قلمکاروں میں ہوتا ہے، آپ کی یہ ہے کہ طبع اول سے اردو زبان میں بنام احسن البیان قرآن کریم کی انتہائی جامع تفسیر تحریر فرمائی جیسے بڑی

، حاصل ہوئی اور سعودی عرب کی جانب سے ہزاروں کی تعداد میں شائع کی جا رہی ہے۔ اسی طرح آپ
ام کے دفاع میں آپ کا ایک عظیم کارنامہ خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت کے عنوان پر ایک شاندار و
ی، تحقیقی کتاب ہے، جسے ہر خاص و عام میں خوب شہرہ ہوا اور تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس کتاب کی
ی۔

View all p

Categories | زُمرہ جات

- ایمان و عقائد
- احکام و مسائل
- بدعات اور رسومات
- سیرت و سوانح
- جدید مالی معاملات
- حدیث شریف اور محدثین عظام
- اصلاحِ نفس و معاشرہ
- خواتین سے متعلق احکام و نصائح
- قرآن کریم و تفاسیر و علومِ قرآن
- جدید فتنے
- متفرقات
- ویڈیوز
- عبادات

مصنف / مقرر

All Categories

Submit

Dawah Cards



المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر



اہم پروجیکٹس



برائے رابطہ